جناب عبدالحمید صدیقی

یہ مضمون سید قطب شہید مرحوم کے ایک مضمون کی آزاد ترجمانی ہے

دین ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے

کسی دین کے نظام اعتقاد اور اجتماعی نظام کے درمیان نہایت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اس گہرے تعلق سے بڑھ کر ایک چیز ناگزیر اشتقاق ہے یعنی نظام اجتماعی کا تصور اعتقادی سے اشتقاق۔ نظام اجتماعی اپنے تمام خصائص کے باوصف تصور اعتقادی کے مشتقات میں سے ایک ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ:۔ کسی نظام اجتماعی کی قوت و طاقت کا اصل منبع اس کا نظام اعتقاد ہی ہے تو یہ زیادہ صحیح ہوگا۔ جس طرح بیج کے سارے خواص نباتات میں منتقل ہو جاتے ہیں بالکل اسی طرح نظام اجتماعی بھی نظام اعتقاد کا پرتو ہوتا ہے۔

دنیا کا کوئی ایسا نظام نہیں جو نظام اعتقاد کے بغیر قائم ہوا اور پھر خود اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے پر قائم رہ سکے۔ کسی اجتماعی نظام کے قیام اور اس کی نشو و نما کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے ان امور کا فیصلہ کرے کہ کائنات کیا ہے

- کائنات کیا ہے؟
- انسانی زندگی کی نوعیت و ماہیت کیا ہے؟
- اس کائنات میں انسان کو کیا مرتبہ اور مقام حاصل ہے؟ اور
- انسان کن مقاصد کی تکمیل کے لیے دنیا میں زندہ ہے؟

کیونکہ جب تک انسانی عزائم کا تعین نہیں ہو جاتا اس وقت اس نظام کے وجود کی غرض و غایت متعین نہیں کی جا سکتی۔ انسان ہی کائنات کا جو مقام ہوگا، اسی کے مطابق اسے حقوق حاصل ہوں اور پھر ان حقوق کی روشنی میں اپنا طرز عمل طے کرے گا اور مقاصد کی تکمیل کے لیے اسے جن وسائل کی ضرورت درپیش ہوگی، ان کے متعلق فیصلہ کرے گا۔ جس طرح انسان اور کائنات کے درمیان متعدد رشتے موجود ہیں۔ اسی طرح

ان اور انسان کے مابین اور انسان اور اس کے مختلف اداروں کے درمیان بے شمار روابط پائے جاتے ہیں۔ ان روابط اور تعلقات کو نظام اجتماعی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ہر وہ نظام اجتماعی جو اس بنیاد کے علاوہ کسی اور بنیاد پر قائم ہوگا۔ وہ غیر طبیعی اور غیر فطری ہوگا۔ اور اس میں دیر تک زندہ رہنے کی قوت ناپید ہوگی۔ اس میں یہ صلاحیت سرے ہی سے مفقود ہوگی کہ وہ قوانین طبیعی یا فطرت انسانی کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کر سکے یا انسان کی حقیقی ضروریات کو پورا کر سکے۔

جب اس قسم کا نظم مفقود ہو انسان لازمی طور پر بدبختی اور مصیبت کا شکار ہوتا ہے اور مادی آرام و آسائش کی کثرت اور پیداوار کی فراوانی نہیں بچا سکتی جہاں انسان اور کائنات کے مابین ہم آہنگی ناپید ہو تو نظم کے اندر اختلال اور بگاڑ پیدا ہونا بالکل فطری امر ہے۔

ترقی کے لیے یہ حرکت و حرارت اور موجودہ صورت حال اجتماعی نظم اور اعتقادی تصور کے مابین مستقل اور پائیدار ربط و ضبط کا ایک سبب ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ یہی چیز آگے چل کر نہ صرف نظم اجتماعی کو بلکہ پوری زندگی کو یعنی انسان کے افکار و احساسات، اس کے اخلاق عادات —— محیط کرے۔

اسی حقیقت کو ہم دوسرے انداز میں یوں بیان کر سکتے ہیں کہ ہر دین ایک اعتقادی تصور ہونے کی بنا پر نظام حیات بھی ہے یا آپ یوں کہہ لیجئے کہ دین میں وہ اعتقادی تصور بھی شامل ہے جس سے کوئی نظم اجتماعی جنم لیتا ہے بلکہ یہ ایک ایسا نظام ہے جو دنیا کی اس زندگی میں انسان کے لیے راحت اور سکون کا سامان فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح اس بات کا عکس بھی صحیح ہے کہ زندگی کا ہر نظام دین ہے لہٰذا کسی انسانی گروہ کا ایک دین وہ نظم اجتماعی ہے جس سے اس کی زندگی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ امت مسلمہ کو زندگی گزارنے کے لیے جو ضابطۂ حیات دیا گیا ہے۔ چونکہ اس کا منبع و مصدر باری تعالیٰ ہے۔ اس لیے اس امت کو صحیح معنوں میں اللہ کے دین کا حامل ہونا چاہیے۔ اگر اس جماعت کے لیے زندگی کے اصول کوئی بادشاہ، امیر یا قبیلہ مرتب کرتا یعنی وہ کسی انسان کے گھڑے ہوئے فلسفے یا انسانی دماغ سے سوچے ہوئے افکار کے مطابق تشکیل پاتے تو پھر اس جماعت کو دین شہنشاہ یا دین امیر یا دین قبیلہ کا پیرو تو مانا جاتا مگر کبھی اللہ کے دین کا علمبردار تسلیم نہ کیا جاتا کیونکہ خدا کے دین کا متبع تو وہی گروہ سمجھا جاتا ہے جو سب کو چھوڑ کر پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ کے دین کو اپنا لے۔

اجتماعی فلسفہ کے ماہرین میں سے کسی ایک شخص نے بھی اس حقیقت کی اس طرح صراحت نہیں

کی بلکہ سب نے اسے غیر مبہم الفاظ میں بیان کرنے سے گریز کیا ہے۔

اشتمالیت یا اشتراکیت محض ایک اجتماعی نظم کا نام نہیں۔ یہ ایک ایسا اعتقادی تصور ہے۔ جس میں کائنات کی مادی توجیہ بطور اساس کام آتی ہے۔ مارکس کا خیال یہ ہے کہ:۔

ایک خاص دور کا اجتماعی نظام پہلے ایک دعویٰ پیش کرتا ہے پھر اس کے بطن سے اس کے تناقضات جنم لینا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ان میں شدید کشمکش برپا ہو جاتی ہے اور یہی کشمکش سارے تغیرات اور انقلابات کی علت ہے۔ اس تصور کو تاریخ کی جدلیاتی تعبیر کہا جاتا ہے۔ انسانی تاریخ میں آج تک جتنے انقلابات برپا ہوئے ہیں وہ سب اسی کا مظہر ہیں۔ اس بنا پر کمیونزم کو محض ایک نظم اجتماعی سمجھنا درست نہیں بلکہ یہ اپنے ساتھ ایک اعتقادی تصور بھی رکھتا ہے جو اس کا بطور اساس کام دیتا ہے۔

مگر اسے بد قسمتی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس کے اجتماعی نظام کو تو تسلیم کیا جاتا ہے مگر اس کے اعتقادی تصور سے اغماض برتا جاتا ہے۔

اسلوب حیات یا اجتماعی نظم در حقیقت اعتقادی تصور کے ہی خارجی مظاہر ہیں جنہیں مختلف اصحاب علم مختلف ناموں سے تعبیر کرتے ہیں۔ کوئی انہیں اجتماعی عقیدہ، کوئی انہیں وطنی عقیدہ اور کوئی انہیں قومی عقیدہ کہتا ہے۔ یہ سب ایک واضح حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ہر نظام زندگی ایک دین ہے اور جو قوم یا گروہ اس نظام کے تحت زندگی بسر کرتا ہے وہی دراصل اس کا دین ہوتا ہے یا دوسرے لفظوں میں اس کا دین ہی اس کا نظم اجتماعی ہے۔ چنانچہ جو لوگ اللہ کے بتائے ہوئے راستے کو پسند کرتے ہیں اور اس کے عطا کردہ نظام حیات کو اپناتے ہیں وہ اللہ کے دین کے علمبردار کہلاتے ہیں اور جو اللہ کے دین کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کی پیروی کرتے ہیں وہ دینِ غیر اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔

یہ حقیقت اتنی بدیہی اور واضح ہے کہ ہم ان پر مزید بحث کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

اس نقطۂ نظر سے ہم جب دین اسلام پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا یہ دین محض وجدانی کیفیات جن کا انسان کی عملی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو، کا نام نہیں۔ پھر اس کا دائرہ چند دینی شعائر تک ہی محدود نہیں جنہیں اس دین کے ماننے والے انفرادی اور اجتماعی طور پر اپناتے ہیں۔ نہ یہ ایسے شخصی

احوال کا نام ہے جو شریعت کے تابع ہوں۔ مگر انسان کی باقی زندگی خدا کے دین کے علاوہ انسانوں کے بنائے ہوئے ضابطوں کے مطابق چل رہی ہو۔

دین کے جامع مفہوم کو ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ ناممکن ہے کہ کوئی معقول شخص دین کو وجدانی کیفیت یا رسمی عبادات اور شعائر یا شخصی احوال تک محدود کرے اور پوری زندگی پر اسے محیط نہ سمجھے اور یہ خیال کرے کہ دین کا انسان کی عملی زندگی، اس کے افکار و تصورات اور احساسات سے کوئی تعلق نہیں۔

خدا کا دین ہی وہ واحد ضابطہ حیات ہے جو دنیوی زندگی کے ساتھ ساتھ آخرت کے لیے بھی ہدایت ہے اور غیر الٰہی ادیان پر غالب آنے والا ہے۔

انسانی زندگی کے لیے اس سے بڑا تمسخر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کے ایک پہلو پر تو خدا کی فرمانروائی تسلیم کی جائے اور دوسرے پہلوؤں کو احکام خداوندی سے آزاد سمجھا جائے۔ یہ انتہائی مضحکہ خیز تصور ہے۔ جب بھی لوگ اس نہج پر سوچیں گے تو انہیں اپنے اس انداز تفکر پر خود بخود ہنسی آئے گی۔ اور وہ اپنی سادگی پر خود بخود خندہ زن ہوں گے۔

انسانی شخصیت اپنی طبیعت اور فطرت کے اعتبار سے ایک وحدت ہے۔ اس لیے اس کے افعال و اعمال کے درمیان ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ حیات انسانی کے مختلف گوشوں کے درمیان کوئی خط امتیاز نہیں کھینچا جا سکتا کیونکہ زندگی کے سارے شعبے اور گوشے انسان کے تصور حیات کے رخ زیبا کا عکس ہوتے ہیں۔ جب انسان کا ضمیر اور وجدان شریعت کے تابع ہو تو لازمی طور پر اس کے حالات پر بھی شریعت کی چھاپ ہوگی اور اس کے مختلف افکار و نظریات وحی الٰہی کے ترجمان ہوں گے۔

جب انسان کی شعوری اور جذباتی زندگی اور عملی زندگی کے درمیان بُعد اور بیگانگی ہو تو یہ کبھی صحت کی علامت نہیں ہو سکتی بلکہ علالت کی اور بیماری کی علامت ہے۔ یہ فکری اور عملی انتشار آج ہمیں یورپ اور امریکہ کی ترقی یافتہ قوموں میں نظر آتا ہے۔ وہاں دینی احساسات اور نظم اجتماعی ایک دوسرے سے بالکل بیگانہ ہیں۔ اس افتراق کے پیچھے مسیحیت کا تصور دین کارفرما ہے۔

اللہ کے دین کا صحیح تصور ہم پہلے پیش کر چکے ہیں جس کے مطابق وہ حیات انسانی کے لیے ایک ایسا مکمل ضابطہ حیات ہے جس کا مرکز و محور باری تعالیٰ ہے۔

اس دین نے اس کی رضا جوئی کو انسانی جد و جہد کا کعبۂ مقصود ٹھہرایا ہے۔ اسی تصور کے تحت مختلف تعلقات کی نوعیت حقیقی ہوتی ہے اور اسی ایک مقصد کے حصول کے لیے مختلف وسائل جمع کیے جاتے ہیں۔ ایک مسلمان کی حیات کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو اس ایک مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ نہ ہو۔ یہی اس کے نزدیک دنیا اور آخرت کی سعادت ہے۔ یہی ایک واحد ذریعہ نجات ہے جسے زندگی کی فطری فطرت کو برقرار رکھ کر اپنایا جا سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کا دین انسانوں کو ایسے اساسی تصورات پیش کرتا ہے جس پر اس کے نظمِ اجتماعی کا دار و مدار اور انحصار ہوتا ہے۔ یہاں فکر و عمل دونوں ایک دوسرے کے ہم رکاب ہوتے ہیں۔ دین کا مقصد وحید انسان کو باری تعالیٰ کا تابع و فرمان بردار بنانا اور اس کی روحانی اور عملی زندگی اور اس کی جد و جہد اور قانونِ فطرت کے مابین ہم آہنگی پیدا کرنا ہے

اللہ کا دین اس لیے دنیا میں آتا ہے کہ اسے یہاں نافذ کیا جائے اور انسان اپنی زندگی کے سارے شعبوں میں اسے نافذ کریں۔ یہ محض ایک قلبی واردات کا نام نہیں اور نہ یہ ایک ایسے اخلاقی ضابطے کا نام ہے جس کا مقصد روح کی بالیدگی ہی ہو اور اس کا دائرہ کار صرف محراب و منبر تک ہی محدود نہیں۔ پھر یہ مجرد شخصی احوال کا بھی احاطہ نہیں کرتا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ [1]

کہ ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے وہ اس لیے بھیجا ہے کہ اذنِ خدا وندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے

تورات میں بھی عقیدہ اور نظامِ زندگی دونوں کے بارے میں ہدایات موجود ہیں اور اس کے ماننے والوں کو اس بات کا پابند ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ زندگی کے سارے معاملات اس کے مطابق طے کریں اور اسے اس ایک ایسے وعظ و نصیحت تک محدود نہ سمجھیں جس کا دائرہ صرف روحانی کیفیت یا عبادات تک جو معابد میں کی جاتی ہیں، محدود ہے۔

"ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ سارے نبی جو مسلم

---

[1] النساء: ۶۴

تھے۔ اس کے مطابق ان یہودی بن جانے والوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے اور اسی طرح ربانی اور احبار بھی (اسی پر فیصلہ کا مدار رکھتے تھے) کیونکہ انہیں کتاب اللہ ہی کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ تھے۔ پس (اے گروہ یہود!) تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور میری آیات کو ذرا ذرا سے معاوضے لے کر بیچنا چھوڑ دو۔ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔ تورات میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان۔ آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان۔ دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کے لیے برابر کا بدلہ۔ پھر جو قصاص کا بدلہ کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔"

یہ باتیں قرآن کریم نے تورات کی شریعت سے بیان فرمائی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد دوسرے انبیاء بنی اسرائیل نے صدیوں تک انہیں ہدایات پر اپنی قوم کو منظم کرتے رہے۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی بنی اسرائیل کے رشد و ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ انہوں نے شریعت تورات میں معمولی تغیرات کو چھوڑ کر باقی ساری ہی شریعت کی تصدیق فرمائی۔ ان تغیرات کی نوعیت یہ تھی کہ انہوں نے بنی اسرائیل پر بہت سے ان بوجھوں کو ہلکا کیا جو اللہ تعالیٰ نے تادیب یا گناہ کے کفارے کے طور پر ان پر لاد رکھے تھے۔ اس حقیقت کی طرف قرآن مجید نے یوں اشارہ فرمایا ہے:

" اور جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی ان پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے اور گائے اور بکری کی چربی بھی بجز اس کے جو ان کی پیٹھ یا ان کی آنتوں سے لگی ہوئی ہو یا ہڈی سے لگی رہ جائے۔ یہ ہم نے ان کی سرمستی کی سزا انہیں دی تھی اور جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں بالکل سچ کہہ رہے ہیں" لہ

ابھی یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ شریعت حقہ ہی کو نظام زندگی کا پیمانہ عدل ہونا چاہیے

لہ الانعام: ۱۴۶

"پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا۔ تورات میں سے جو کچھ اس کے سامنے موجود تھا وہ اس کی تصدیق کرنے والا تھا اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی جس میں رہنمائی اور روشنی تھی اور وہ بھی تورات میں سے جو کچھ اس وقت موجود تھا اس کی تصدیق کرنے والی تھی۔ اور خدا ترس لوگوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی۔ ہمارا حکم تھا کہ اہل انجیل اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں"[1]

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کے ساتھ آئے اس نے پہلے کی آسمانی شریعتوں میں سے کسی کی تکذیب یا تردید نہیں کی بلکہ ان سب کی تصدیق و محافظت کی۔ آپ کی رسالت آخری ہونے کی وجہ سے پوری نوع بشری کے لیے ہے۔ اس میں پوری انسانیت کے لیے رشد وہدایت کا ضابطہ موجود ہے اور یہ ایک ایسا اسلوب حیات متعین کرتی ہے جو انسان کو جاہلیت سے نکال کر اللہ کا مطیع و فرمانبردار بنانے والا ہے۔ یہ دین جس طرح انسان کے ضمیر اور وجدان میں اللہ کی محبت اور اس کا خوف پیدا کرتا ہے بلکہ اسی طرح پوری زندگی اس اساس پر اٹھاتا ہے۔

"پھر اے محمد! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگہبان ہے۔ لہٰذا تم خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی ہے اگرچہ تمہارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا لیکن اس نے یہ اس لیے کیا کہ جو کچھ اس نے تم لوگوں کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ لہٰذا بھلائیوں میں سے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ آخر کار تم سب کو خدا کی طرف پلٹ کر جانا ہے پھر وہ تمہیں اصل حقیقت بتا دے گا جس

---

[1] المائدہ: ۴۶، ۴۷

میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔ پس اے محمدؐ! تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں گے جو خدا نے تمہاری طرف نازل کی ہے۔ پھر اگر یہ اس سے منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں ان کو مبتلائے مصیبت کرنے کا ارادہ ہی کر لیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثر فاسق ہیں (اگر یہ خدا کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں حالانکہ جو لوگ ان پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے[1]

ان بڑی اطاعت گزاریوں سے پہلے ہر دین کے آنے کی غرض صرف ایک ہی تھی کہ لوگوں کو خدا کی ربوبیت کی طرف بلایا جائے اور خدائے واحد کے بتلائے ہوئے طریقہ پر چلایا جائے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر تمام انبیاء تواتر کے ساتھ اسی ایک مسلک پر کاربند رہے۔ شریعت کی تفصیلات میں تو ان کے درمیان اختلاف ممکن ہے مگر اسی تصور، مقصود منہاج میں یہ سب ایک دوسرے سے پوری طرح متفق تھے اور یہ مقاصد دو ہیں:

۱۔ انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں دینا۔

۲۔ تمام چھوٹے خداؤں اور ارباب کا ابطال کیونکہ الوہیت اور ربوبیت کی اصلی سزاوار ذات صرف باری تعالیٰ ہے۔

دوسری جگہ اجمالی طور پر قرآن حکیم نے اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ:

"اس برحق اور صحیح مسلک کا خداوند تعالیٰ سے گہرا تعلق ہے۔ یہ مسلک درحقیقت قائم ہی اس بنیاد پر ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان اور کائنات کا خالق ہے اور اس کے ہاتھ میں اقتدار کی کنجیاں ہیں۔"

اسی طرح قرآن مجید نے اس آخری دین کے مقام کی بھی وضاحت فرمادی ہے کہ:

یہ تمام آسمانی مذاہب کا جامع اور اسلام اور جاہلیت کے درمیان صاف صاف

---

[1] المائدہ ۴۸ تا ۵۰

فرق کرنے والا ہے۔"

تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو، اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے۔ وہی اللہ میرا رب ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا جس نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے اور اسی طرح جانوروں میں بھی (انہی کے ہم جنس) جوڑے بنائے اور اسی طریقہ سے وہ تمہاری نسلیں پھیلاتا ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں۔ وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اس کے پاس ہیں۔ جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔ اسے ہر چیز کا علم ہے۔

اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جسے (اے محمدؐ) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں۔ اسی تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ یہی بات ان مشرکین کو سخت ناگوار ہوئی ہے جس کی طرف (اے محمدؐ) تم انہیں دعوت دے رہے ہو۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اس کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔

لوگوں میں جو تفرقہ رونما ہوا وہ اس کے بعد ہوا کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا اور اسی بنا پر ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ اگر تیرا رب پہلے ہی یہ نہ فرما چکا ہوتا کہ ایک وقت مقرر تک فیصلہ ملتوی رکھا جائے گا تو ان کا قضیہ چکا دیا گیا ہوتا اور حقیقت یہ ہے کہ اگلوں کے بعد جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے، وہ اس کی طرف سے بڑے اضطراب انگیز شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

چونکہ یہ حالت پیدا ہو چکی ہے۔ اس لیے (اے محمدؐ) اب تم اس دین کی طرف دعوت دو اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اس پر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ۔ اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو اور ان سے کہہ دو کہ اللہ نے جو کتاب بھی نازل

کی ہے میں اس پر ایمان لایا۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں
اللہ ہی ہمارا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے
اعمال تمہارے لیے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ایک روز
ہم سب کو جمع کریگا اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔" [1]

قرآن مجید نے جو بات حضرت شعیب اور ان کی قوم اہل مدین کے بارے میں بیان فرمائی ہے اس میں عملی زندگی سے متعلق قوانین کا ذکر ہے اور قوم کا اعتراض دین کے اس مزاج کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے کہ یہ پوری زندگی کا ضابطہ ہے۔ صرف وجدان اور معابد میں عبادات تک محدود نہیں۔ دین کے محدود تصور میں اہل مدین اور دورِ جدید کے جاہلیت کے علمبردار سب برابر ہیں

اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اُسنے کہا، "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ آج میں تم کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں۔ مگر مجھے ڈر ہے کہ کل تم پر ایسا دن آئے گا جس کا عذاب سب کو گھیر لے گا اور اے برادرانِ قوم! ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور بہرحال میں تمہارے اوپر کوئی نگراں کار نہیں ہوں۔" انہوں نے جواب دیا۔ اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنے منشا کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ بس تو ہی تو ایک عالی ظرف اور راستباز آدمی رہ گیا ہے۔" [2]

اسی حقیقت کا اظہار قرآن مجید نے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم سے یوں کروایا ہے:

"اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور ان حدود بندگی سے نکل جانے والوں کا کہا مت مانو۔ جو زمین میں فساد کیا کرتے ہیں اور کسی اصلاح کی بات نہیں کرتے" [3]

---

[1] الشوریٰ: ۱۰-۱۵ [2] ہود: ۸۴-۸۷ [3] الشعراء: ۱۵۰-۱۵۲

دوسرے مقام پر باری تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے فرائض اور کتاب الٰہی کے مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ انسانوں میں عقائد و اعمال کے جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان کے بارے میں صحیح فیصلہ صادر کرنا۔

"لوگ ایک امت تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام ——— بشارت دینے والوں اور ڈرانے والوں کو مبعوث فرمایا اور ان کے ساتھ حق کتاب بھی نازل فرمائی تاکہ لوگ جس معاملہ میں اختلاف کرتے ہیں اس کے بارے میں ان کے درمیان فیصلہ کرے"

اللہ کی کتاب اور اس کے رسولوں کے طرزِ عمل سے سارے جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں اور اس سے دین کا مفہوم بھی متعین ہو جاتا ہے۔ اللہ کے دین کے معنی ایسے نظامِ حیات کے ہیں، جسے اللہ پسند فرماتا ہے۔

اس بحث کو ہم مزید طول دینا نہیں چاہتے۔ ہم قارئین کی توجہ صرف اس حقیقت کی طرف مبذول کروانا چاہتے ہیں کہ دین کے مفہوم میں نظم جماعت بھی شامل ہے جو دین حیات اجتماعی پر پوری طرح محیط نہ ہو وہ دین کہلانے کا مستحق نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نظامِ حیات کے بغیر دین کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس دین کا اپنا ایک مخصوص مزاج، شریعت کا اپنا ایک مخصوص نظام ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ پوری زندگی کے لیے ہدایت اور رہنمائی دیتا ہے۔ یہ نظامِ حیات معتقدات کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔ اس میں انسانی ہستی کی حقیقت، اس کا اپنے خالق سے تعلق، اس کائنات میں انسان کے مرتبہ و مقام، انسانی زندگی کی غرض و غایت اور وہ سارے انسانی روابط جو اس غایت سے متعین ہوتے ہیں بحث کی جاتی ہے۔

پھر یہ دین ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ انسان کا اپنے رب کے ساتھ کیسا تعلق ہونا چاہیے۔ انسان اور کائنات۔ انسان اور دوسری جاندار مخلوق، انسان اور انسان کے درمیان کس نوعیت کے رشتے استوار ہو جانے چاہییں تاکہ انسان خالق کی بندگی کا صحیح طور پر حق ادا کر سکے۔

اگر دین کا یہ جامع اور ہمہ گیر تصور نہ ہو، اور دین زندگی کے سارے گوشوں پر حاوی نہ ہو تو پھر

نظام حیات صرف انسانی خواہشات کی پیروی کا نام ہوگا اور یہ ایک ایسی جاہلیت ہے جس سے انسان کو نجات دلانے اور اسے راہِ حق دکھانے کے لیے اللہ کے دین نازل کیے گئے۔ اگر دین کا یہ جامع تصور سامنے نہ ہو تو خدائے واحد کی بلا شرکت غیر کی بندگی کا دعویٰ غلط ہو جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں خدا کی بندگی کے ساتھ انسانوں کی بندگی بھی کرنا پڑتی ہے۔ جس طرح کہ آج ہم دیکھتے ہیں۔ اللہ کا دین تو دنیا میں آیا ہی اس لیے ہے کہ بندوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر خدا کی بندگی میں دے دیا جائے۔

اس بدیہی حقیقت کے سامنے آجانے کے بعد بات کو طول دینا مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ اس سے بہت سے مناقشات کے دروازے کھلنے کا خطرہ ہے۔ اگر اہل یورپ کے ذہنوں میں یہ الجھاؤ پیدا نہ ہوتے تو دین وسیاست بلکہ دین اور نظام حیات میں جدائی نہ پیدا ہوتی۔ اس وقت ہمیں اس ضابطے سے بحث کرنا ہے جس کی بنا پر یورپ میں دین و دنیا کے درمیان تفریق پیدا ہوئی اور جس آفت سے ہمیں باری تعالیٰ نے اپنے دین کے ذریعہ محفوظ رکھنے کی تلقین کی مگر ہم اس سے بچ نہ سکے اور اس وقت اس کے تلخ نتائج اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں۔

جادۂ حق

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی عظیم الشان تصنیف "صراط مستقیم" کا رواں دواں اردو ترجمہ معروف مترجم مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے قلم سے۔ یہ کتاب مدت سے نایاب تھی۔ اب حسین پیرہن اور عمدہ طباعت کے ساتھ دوبارہ پیش کی جا رہی ہے۔ صفحات ۲۵۰۔ قیمت: ۳/۷۵ روپے

ادارہ ترجمان السنہ، ایبک روڈ انارکلی لاہور